اسلامی قوانین کی حمایت پر برطانوی چرچ میں ہنگامہ

سعید احمد عباسی

چند روز قبل تک چرچ آف انگلینڈ کے سینئر اور معتبر آرچ بشپ ڈاکٹر روون ولیم اب نفرت کا نشان بن کر سامنے آئے ہیں۔ان پر چرچ آف انگلینڈ کے دیگر لیڈروں کی طرف سے تنقید تو ہو رہی ہے مگر امریکہ اور دوسرے ممالک کے چرچ رہنما بھی انھیں ناکارہ اور رہنمائی کے لیے نامناسب قرار دے کر مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔آرچ بشپ ڈاکٹر روون نے صرف اتنا کہا تھا کہ اگر اسلام میں کچھ اچھی چیزیں ہیں اور لوگ ان پر عمل کرتے ہیں تو انھیں قانون کا حصہ بنانے میں کیا حرج ہے۔اسلام میں شادی بیاہ اور وراثت کے معاملات زیادہ اچھے ہیں اور برطانوی مسلمان اس پر عمل بھی کرتے ہیں تو پھر اسے قانون کا درجہ دینے میں کیا حرج ہے۔اس سے معاشرے کو زیادہ مربوط کیا جا سکے گا۔ڈاکٹر روون نے یہ انٹرویو بی بی سی کو دیا تھا اور انٹرویو لینے والے رپورٹر نے اسی وقت ہی آرچ بشپ سے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔چرچ آف انگلینڈ کا ایک لیڈر اسلامی قوانین کو برطانیہ میں لاگو کرنے کی بات کر رہا ہے؟ آپ کا یہ بیان طوفان کھڑا کر دے گا۔اس کے جواب میں ڈاکٹر روون نے بڑے اطمینان سے کہا ''مجھے پتا ہے'' اور اب جب کہ انٹرویو نشر ہو چکا، ہر طرف سے وہ تنقید کی زد میں ہیں۔چند روز بعد انھیں چرچ کی ایک میٹنگ میں پیش ہونا ہے۔یہاں ان سے اسی موضوع پر پوچھ گچھ کی جائے گی کہ آخر انھوں نے کیا سوچ کر اسلام کی وکالت کی ہے۔برطانیہ اور امریکہ کے چرچ رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر ولیم جو بات کہہ رہے ہیں وہ برطانیہ میں بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

ڈاکٹر ولیم ڈیوس بری کے آرچ بشپ ہیں۔انھوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری آکسفورڈ سے لی۔وہ ہمیشہ سے نہایت معتدل انداز کی وجہ سے مشہور رہے ہیں۔انھوں نے ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف امریکہ میں مظاہروں میں شرکت کی اور بین المذاہب رواداری پر بھی زور دیتے رہے ہیں۔ان کی حیثیت کبھی بھی متنازعہ نہیں رہی بلکہ وہ سوشل ایشوز پر بات کرنے کی وجہ سے ہر حلقے میں اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔شریعت کورٹس کا بیان انھوں نے بی بی سی کے ایک انٹرویو میں دیا تھا۔اس کا پس منظر یہ تھا کہ برطانوی مسلمان اپنے مذہبی معاملات کے لیے اسلامی قوانین کا سہارا لیتے ہیں۔مثلاً شادی کے لیے وہ نکاح کرتے ہیں، جس کی گنجائش برطانوی قانون میں نہیں ہے۔اس وجہ سے مسلمانوں کے لیے یہ کافی مشکل ہو جاتا ہے۔وہ پہلے اسلامی طریقے سے نکاح کرتے ہیں پھر برطانوی قانون کے مطابق بھی رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔وراثت کے معاملات میں بھی وہ اکثر شریعت کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس کے لیے اسلامی سکالرز اور امام سے رجوع کرتے ہیں۔آپس کے چھوٹے جھگڑوں اور گھریلو مسائل کے لیے بھی وہ اسلامک سینٹرز کا رخ کرتے ہیں۔جب کہ صومالیہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان تو قتل جیسے

معاملات میں بھی اسلامی قوانین کا سہارا لیتے ہیں۔ڈاکٹر ولیم نے اسی تناظر میں کہا تھا کہ جب برطانوی معاشرے میں ایک اکائی اپنے بعض معاملات کو مذہب کے مطابق حل کرنا چاہتے ہیں اور یہ حل قابل قبول بھی ہیں۔یعنی ان میں ایسا کوئی بھی پہلو نہیں ہے جو مغرب کے معیار کے مطابق انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو پھر اس عمل کو قانونی شکل دینے میں کیا حرج ہے۔

برطانیہ میں اسلامی عدالتوں پر بحث ۲۰۰۸ء میں شروع ہوئی تھی جب بعض برطانوی اخباروں میں یہ اسٹوریاں چھپیں کہ کچھ علاقوں میں اسلامی سکالرز برطانوی قوانین کے متوازی اپنی عدالتیں لگائے بیٹھے ہیں اور حکام بھی ان سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔بعد میں یہ کہانیاں بھی دم توڑ گئیں۔کیوں کہ جس کو عدالت قرار دیا جا رہا تھا وہ محض مشاورتی کونسل تھی جو فریقین کو پوچھنے پر صرف یہ معلومات فراہم کرتی تھیں کہ اسلامی شریعت کے مطابق یہ معاملہ اس طرح حل ہوسکتا ہے۔ فریقین اپنی مرضی سے اسے قبول کر لیتے تھے اور مروجہ عدالتوں میں جانے سے گریز کرتے۔اس معاملے کو مزید بہتر انداز میں اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ جس کو اسلامی عدالتیں قرار دیا جا رہا تھا، وہ دارالافتاء تھا جو شادی، طلاق اور وراثت جیسے معاملات میں فتویٰ دینا۔

برطانیہ کے روزنامہ ''ایکسپریس'' نے ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ برطانوی قصبے سویل میں اسلامی امام شیخ یعقوب نے اسلامی عدالت قائم کر رکھی ہے جو اسلامک مرکز کے ہی ایک کمرے میں واقع ہے۔بتایا جاتا ہے کہ اسلامی عدالت کا مقصد برطانوی قانون کی جگہ اسلامی قانون کا نفاذ ہے۔اخبار کے مطابق جس جگہ مدرسہ قائم کیا گیا ہے وہاں پہلے شراب خانہ تھا بعد ازاں اس جگہ پر مدرسہ قائم کر دیا گیا اور یہاں پر چلنے والے مقدمات ہر ہفتے سماعت کے لیے آتے ہیں۔ جب کہ ہر روز کم از کم دس مقدمات کی سماعت ہوتی ہے۔چار ایسے اسلامی علماء جو اپنی پوری زندگی اسلامی قوانین اور قرآنی علوم کے حصول میں صرف کر چکے ہیں، وہ مقدمات کی سماعت کرتے ہیں۔اخبار نے لکھا کہ جس ذریعے نے اسے یہ بات بتائی تھی کہ کس جگہ پر اسلامی عدالت کام کر رہی ہے، اسی نے یہ بھی بتایا کہ اسلامی عدالت کو چلانے والے سخت گیر مسلمان ہیں اور وہ برطانیہ اسی لیے آئے ہیں تاکہ اُسے ایک اسلامی ملک بنا سکیں۔اخبار نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ذریعہ کیا ہے جس نے اسے یہ اطلاعات فراہم کیں۔البتہ اخبار نے یہ لکھا کہ مدرسے کو چلانے والے شیخ یعقوب، مسلم خواتین کو پردہ کرنے اور بچوں کو اسلامی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیتے رہتے ہیں۔

اخبار کی رپورٹ پر اسلامی کونسل نے شدید ردِّعمل ظاہر کیا۔کونسل کے ترجمان عنایت بنگلہ والہ نے اخبار کے نام ایک خط لکھ کر کہا کہ مذکورہ مضمون شرمناک ہے اور جس عدالت کا ذکر کیا گیا ہے وہ کمیونٹی کی سطح پر طلاق اور شادی جیسے سول معاملات میں مشاورت کا کردار ادا کرتی ہے۔اسے برطانوی عدالتوں کے مترادف یا ان کے خلاف قرار دینا درست نہیں۔ بنگلہ والہ نے مزید کہا کہ برطانیہ بھر میں ایسی مشاورتی کونسلیں کام کر رہی ہیں اور سرکاری سطح پر ان کا علم ہے۔یہ کوئی خفیہ کام یا ایجنڈا نہیں بلکہ مسلمانوں کا سول معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق عمل ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جانا چاہیے۔ کیوں کہ یہ برطانوی قانون کے خلاف نہیں ہے اور اسلامی مشاورتی کونسل مجرمانہ معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتی۔

ڈیوس بری کے مطابق کونسلر امتیاز امین جو خود بھی مسلمان ہیں، انھوں نے اپنے علاقے سمیت برطانیہ بھر میں اسلامی

عدالتوں کے بارے میں بتایا کہ یہ وجود تو رکھتی ہیں مگر قانون کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ ان میں صرف طلاق اور شادی بیاہ جیسے معاملات حل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک مسلمان عورت طلاق لینا چاہتی ہے تو وہ کیا کرے گی؟ برطانوی قانون میں اس کے لیے کوئی حل نہیں ہے، اسے اسلامی قانون کے مطابق طلاق چاہیے ہوگی تاکہ وہ دوسری جگہ نکاح کر سکے، مگر برطانوی قانون اسے طلاق دلوا کر بھی اس کے مذہب کے مطابق طلاق نہیں دلوا سکتا اور نہ ہی وہ اس طرح دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔ ایسے میں اسلامی عدالتوں کی ضرورت خود بخود پیدا ہوتی ہے مگر اسے برطانوی قانون کے لیے خطرہ یا اس کے متوازی قرار نہیں دینا چاہیے۔

اخبار کی اسٹوری نے برطانیہ بھر میں یہ خطرہ پیدا کر دیا تھا کہ برطانوی مسلمان ایسی عدالتیں قائم کر چکے ہیں جو ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کے احکامات جاری کرتی ہیں اور بہت جلد ہی برطانیہ بھر میں ان کا اطلاق ہو جائے گا۔ جب کہ برطانوی مسلم کونسل نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ برطانوی قانون کے متوازی اسلامی عدالتیں نہیں بنا رہے نہ ہی ایسا کوئی پروگرام ہے۔ البتہ سول معاملات میں اسلامی شریعت کی مدد لی جاتی ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنا مذہب کے حوالے سے ضروری ہے۔ اس پر برطانوی قانون کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے کیوں کہ برطانوی قانون کے مطابق بھی کاغذی کارروائی مکمل کی جاتی ہے۔

اس اسٹوری کے تناظر میں بی بی سی کے ریڈیو فور نے ڈاکٹر ولیم سے ایک انٹرویو کیا۔ انٹرویو کرنے والے نے یہی پوچھا کہ کیا مسلمانوں کو یہ سب کرنا چاہیے؟ ڈاکٹر ولیم کا جواب یہ تھا کہ اگر ہم اسلامی قوانین کے ان حصوں پر تنقید کرتے ہیں، جن میں ہاتھ کاٹنے اور سر قلم کرنے کی سزائیں دی گئی ہیں تو پھر ایسے حصوں کا ذکر کیوں نہیں کرتے جو یورپی معیار کے مطابق بہترین ہیں اور انسانی حقوق کے عین مطابق ہیں۔ جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں اور جس حصے پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ قابل اعتراض بھی نہیں ہے، انھیں اس سے روکنے کے بجائے اسے قانون کا حصہ بنانا چاہیے۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا مسلمانوں کو بھی شریعت پر عمل کی آزادی ہونی چاہیے اور اسلامی قوانین کو برطانوی قوانین کا حصہ بنا دینا چاہیے۔ آرچ بشپ نے کہا کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں قوانین ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ کیا اختیار کرتے ہیں۔ بعض مالی معاملات اور شادی و طلاق کے معاملات میں برطانوی قوانین ان کی ضرورت پوری نہیں کرتے۔ ایک بار میں دوبارہ بتا دوں کہ مجھے اسلامی قوانین کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے مگر جس طرح اسلامی سکالر بتاتے ہیں، اس طرح سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں صرف سعودی عرب اور دیگر ایسے اسلامی خطوں کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے جہاں ہاتھ کاٹنے کی خبریں ہم پڑھتے ہیں۔ اسلامی قوانین اس کے سوا بھی ہیں۔ یہ تمام معاملات بیٹھ کر مکالمے کے ذریعے طے کیے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ولیم کے اس انٹرویو نے جہاں مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑائی، دوسری طرف چرچ آف انگلینڈ میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا، جب کہ امریکہ کے اینگلیکن آرچ بشپ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ اب قیادت کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر ولیم سے قبل آرچ بشپ رہنے والے لارڈ کیری نے بھی ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کے بیان سے ایک طوفان پیدا ہو جائے گا۔ وہ کس طرح سے برطانیہ میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ خود ڈاکٹر روون کا کہنا ہے کہ انھیں اس طرح کے رویے پر شاک ہوا ہے۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''امت'' کراچی، ۱۲ر فروری ۲۰۰۸ء)